Vol.5 No.1 2022

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7615

اردو کے نظریہ ساز ناقدین ڈاکٹر وزیر آغا اور ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کے تنقیدی نظریات کا تقابل

*عبدالمجید ساغر

**ڈاکٹر شازیہ عنبرین

ABSTRACT:

Literature is linguistic expression of aesthetic experimentation. It is criticized and evaluated by the critics. Dr. Wazir Agha and Dr. Gopi Chand Narang are critics of modernism and post modernism. Both have caste everlasting impact of their critical thoughts and ideas on Urdu literature. They have introduced modern theories of west in specific native (eastern) social, cultural and civilizational aspects. They have opened new horizon for the writers of Indo-Pakistan. In this article, their critical approach and comparative study has been highlighted and analysed.

ادب جمالیاتی تجربے کا وہ لسانیاتی اظہار ہے جس میں فکری معنویت موجود ہوتی ہے۔ اس لیے ادب سے مسرت کے ساتھ بصیرت بھی حاصل کی جاتی ہے۔ ہر تخلیق اپنے فنکار، ماحول اور ذریعہ اظہار کے تصادم اور انضمام سے وجود میں آتی ہے۔ ادب زندگی کی تفسیر ہے اور یہ بعض بنیادی روایات اور تقاضوں کا پابند ہوتا ہے۔ ادب کی توجیہہ تنقید کے دائرے میں آتی ہے۔ تنقید تخلیقات کے تجزیے اور موازنے کے ساتھ ادب کی تعبیر و تشریح بھی کرتی ہے۔ اس کا کام ادبی اقدار کی جانچ پرکھ سے معیارِ تخلیق کا جائزہ لینا ہے۔ یہ تخلیقات کی قدر و منزلت طے کرتی ہے اور تخلیق کاروں کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتی ہے۔ اردو ادب میں تنقید کا آغاز تذکرہ نگاری سے ہوا جن کا دائرہ کار محدود تھا۔ مولانا الطاف حسین حالی اور دیگر ناقدین نے تنقید کو جدّت کی راہ پر گامزن کیا۔ ارتقا کا یہ سلسلہ جاری رہا اور تقسیمِ ہند کے وقت اردو تنقید کی روایت مغربی تنقید کے زیرِ اثر علمی، فکری اور ثقافتی لحاظ سے مستحکم ہو چکی تھی۔ اس تقسیم نے اردو ادب کے ناقدین کو بھی دو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک گروہ ہندوستانی کہلایا اور دوسرا پاکستانی۔ دونوں گروہوں کے ناقدین نے وقت کے ساتھ مختلف نظریات اور رجحانات کو اپناتے ہوئے اپنا تشخص قائم کرنے کی کوشش کی۔ ہر زندہ زبان کا ادب مختلف زبانوں اور ان کے ادبی رجحانات کے اثرات کو قبول کرتا ہے اور اپنی شکل بدلتا رہتا ہے اور یہی معاملہ اردو ادب کے ساتھ بھی پیش آیا جس نے فارسی، عربی، ترکی اور ہندی زبانوں کے بعد مغرب کی مختلف زبانوں اور ادبیات کے اثرات کو قبول کیا۔ ان جدید رجحانات اور ان کے ادب پر اثرات کے مطالعے کو اردو ناقدین نے اپنے اپنے نقطہ نظر سے دیکھا اور برتا اور نئے تخلیقی دور کا آغاز کیا۔ یہی نقاد اردو کے نظریہ ساز نقاد کہلائے۔

---

*(پی ایچ ڈی اسکالر اردو)

**شعبہ اردو، بہاءالدین زکریا یونی ورسٹی، ملتان

Vol.5 No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

اردو تنقید کے میدان میں ڈاکٹر وزیر آغا(۱) نے جدیدیت، مابعد جدیدیت، ساختیات، پس ساختیات اور تھیوری جیسے موضوعات کو نہ صرف اردو میں متعارف کرایا بلکہ ان پر مختلف سوالات بھی اٹھائے۔ انھوں نے مغربی نظریات و افکار کو مشرقی ترازو میں پیش کرنے کی کوشش کی۔ ان کے پسندیدہ موضوعات میں میراجی، انشائیے، جدیدیت، مابعد جدیدیت اور ظرافت کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ ان کی تخلیقی و تنقیدی کتب کی تعداد ۴۰ سے تجاوز کر چکی ہے جب کہ تالیفات، نظموں کے انگریزی تراجم اور ان کے فن پر لکھی گئی کتب الگ ہیں۔ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اپنی پوری زندگی علم و ادب کے لیے وقف کر دی تھی۔ سائنسی علوم پر بھی ان کی خاطر خواہ دسترس تھی۔ انھوں نے سماج، اسطور، تاریخ اور فنونِ لطیفہ کے علاوہ حیاتیات اور تنقیدی تھیوری کے حوالے سے تخلیقی عمل کی وضاحت کی۔ انھوں نے مغرب میں پروان چڑھنے والی تنقیدی تھیوریوں کو اردو میں نہ صرف متعارف کرایا بلکہ مغربی ناقدین کی آرا کا محاسبہ بھی کیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے مشرقی دانش میں موجود اعلیٰ فکر کو قارئین کے سامنے پیش کیا تا کہ وہ تصویر کے دونوں رُخ ملاحظہ کر سکیں۔ نظری اور عملی تنقید کے بہترین نمونے ان کی کتابوں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ ڈاکٹر وزیر آغا کی مغربی مفکرین کی تنقیدی فکر کی افہام و تفہیم کے حوالے سے ڈاکٹر وہاب اشرفی لکھتے ہیں:

> ”وزیر آغا مابعد جدیدیت اور اس کے اطراف سے آشنا رہے اور آشنا کرنے والوں میں ایک اہم نام ہے۔ ان کے تنقیدی عوامل سے دنیا آگاہ ہے۔ وزیر آغا واقعی داد کے مستحق ہیں کہ بعض مغربی فکری نظام کو وہ اپنے طور پر سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں اور واضح اور صاف نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں۔“ (۲)

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ (۳) کی تحقیق و تنقید پر کم و بیش ساٹھ کتب ان کی علمی وسعت کا پتا دیتی ہیں اور اردو زبان و ادب کے مطالعہ میں مستند حوالے کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان کے پاس مذاقِ سلیم، سخن فہمی اور ادب شناسی کی بنیادی صلاحیت موجود ہے۔ وہ متنوع موضوعات پر تحقیق و تنقید کرنے والے ادیب ہیں۔ انھوں نے مغربی تنقیدی افکار کو اردو میں متعارف کرایا اور تنقید کو وسعت بخشی۔ انھوں نے اپنی خیال افروز تحریروں سے ایک عہد کو متاثر کیا ہے۔ اسلوبیات اور تھیوری پر ان کا قابلِ قدر کارنامہ پورے عہد کے تنقیدی محاورے کو متاثر کر چکا ہے۔ ان کی تحقیق و تنقید کے مطالعے میں لسانیات ایک محرک قوت کے طور پر نظر آتی ہے۔ ان کا تحقیق و تنقید کا غیر جذباتی انداز اور ان کی شاداب نظری متاثر کرتی ہے۔ بقول ڈاکٹر وہاب اشرفی:

> ”نارنگ اردو میں ساختیات اور پس ساختیات نیز مابعد جدیدیت کے سرخیل سمجھے جاتے ہیں۔ ایسا سمجھنا کچھ غلط بھی نہیں ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ موصوف اردو میں نئی فکریات کو روشن کرنے میں پیش پیش رہے ہیں۔ اس سے انکار کی گنجائش نہیں کہ تھیوری کے بہت سے مباحث اردو میں انھوں نے چھیڑے۔“(۴)

اردو تنقید کی دنیا میں ڈاکٹر گوپی چند نارنگ اور ڈاکٹر وزیر آغا اپنا منفرد اور نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ انھوں نے اپنے دور کے نظامِ خیال کی تشکیلِ نَو کی۔ وقت کے ساتھ فکری، علمی، سماجی اور تخلیقی تبدیلیاں رونما ہوئیں اور پرانے نظامِ خیال میں شکست و ریخت ہوئی تو انھوں نے اس نظامِ خیال کو از سرِ نَو ترتیب دیا اور تخلیقی عمل کے لیے خونِ تازہ فراہم کیا۔ جس کے نتیجے میں عظیم تخلیقات وجود میں آئیں اور ادب بامعنی نظر آنے لگا۔ ان کے بارے میں نظام صدیقی لکھتے ہیں:

> ”اگر ہم مابعد جدید مفکرین گوپی چند نارنگ اور ڈاکٹر وزیر آغا کو استثنیٰ مان کر چھوڑ دیں تو کسی ایک بزرگ ناقد میں بھی فی زمانہ دونوں لگاؤ اور سروکار بیک وقت متوازن طور پر نظر نہیں آتے۔ ان کے مابعد جدید تنقیدی مطالعات سے قاری بے اختیار بڑی روشنی میں آجاتا ہے۔“(۵)

Vol.5 No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

ہر نقاد کے سامنے ایک کسوٹی ہوتی ہے جس پر وہ کسی بھی ادب پارے کے معیار کو جانچنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس مخصوص کسوٹی کو معیار بنا کر ادب پاروں کی تفہیم کرنے والے نقاد اپنا ایک گروہ یا دبستان بناتے ہیں جو دوسرے گروہ یا دبستان سے نظریات، افکار اور تصورات میں مختلف ہو سکتے ہیں اور ان میں کچھ مماثلت بھی پائی جاتی ہے۔ یہی صورتِ حال ان ناقدین کی بھی ہے۔ انھوں نے جدید مغربی نظریات و افکار کو اردو ادب میں متعارف کرایا اور ان کی تشریح و تعبیر اپنے طریقے سے کی۔ ان کے نظریات و افکار نے پاک و ہند کے تخلیق کاروں کو بے حد متاثر کیا اور اعلیٰ ادب کی تخلیق میں ان کی رہنمائی کا فریضہ سر انجام دیا۔ ان ناقدین کے مابین کہیں اتفاق تو کہیں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان کی حمایت و مخالفت میں بھی لکھنے والوں کی کمی نہیں ہے۔ دورِ حاضر میں مغرب کے جدید تنقیدی افکار کو سمجھنے اور ان کی درست تشریح و تعبیر کے لیے ان کے تنقیدی افکار کا تقابلی مطالعہ کرنا نہایت ضروری ہے تا کہ درست سمت میں رہنمائی ہو سکے۔

تھیوری ایک معیاری نظم و ضبط ہے جو سیاسی و سماجی اور ان کے محرکات کے نتیجے میں تشکیل پاتی ہے۔ یہ سماج کے وسیع تر تناظر کا احاطہ کرتی ہے۔ ادب کو ہمیشہ کسی نہ کسی نظریے، فکر یا رویّے کے تابع رکھ کر لکھا اور پرکھا جاتا رہا ہے لیکن تھیوری ادب کو ہر طرح کی ادعائیت اور پابندیوں سے آزاد دیکھنا چاہتی ہے۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں:

> "یہ بھی واضح رہے کہ تھیوری چوں کہ زندگی اور ثقافت سے الگ نہیں، یہ سماجی عمل کا حصہ ہے اور اپنے وسیع تر تناظر میں نئی تھیوری موجودہ عہد کے انسانی کرائسس سے نمٹنے کی کوشش ہے۔ نئی تھیوری کی سب سے بڑی یافت زبان، ادب اور ثقافت کی نوعیت و ماہیت کی وہ آگہی ہے جو معنی کے جبر کو توڑتی ہے اور معنی کی طرفوں کو کھولتی ہے۔"(۶)

تھیوری نے نہ صرف ادب پر بلکہ مختلف شعبہ ہائے زندگی پر ان مٹ اثرات مرتب کیے ہیں۔ اس نے نہ صرف علم و فن کے نئے افق روشن کیے ہیں بلکہ ذہنی کشادگی کا باعث بھی بنی ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا اس پر یوں روشنی ڈالتے ہیں:

> "تھیوری قدیم ہندوستان اور یونان کے زمانے سے لے کر آج تک کسی نہ کسی انداز میں زیرِ بحث ضرور رہی ہے۔۔۔ تھیوری نے اپنے منطقے میں رہتے ہوئے، اس تخلیقی عمل ہی کو سمجھنے کی کوشش کی ہے جس کے تحت فن وجود میں آتا ہے۔"(۷)

ساختیات کے مباحث کا آغاز سوسیئر کی کتاب A Course in General Linguistics کے ذریعے ہو گیا تھا۔ اس نے زبان کا جو نیا تصوّر دیا اس کے مطابق زبان اشیا کو صرف نام دینے کا نظام نہیں اور نہ ہی زبان الفاظ کا مجموعہ ہے جو الگ معنی رکھتے ہیں۔ اس کے مطابق زبان مختلف عناصر کے درمیان رشتوں کا ایک ایسا نظام ہے جو ارتباط اور تضاد پر مشتمل ہے۔ رشتوں کے اس نظام کے تحت معنی خیزی اور اشیا کی پہچان ہوتی ہے۔ معنی زبان کی ساخت سے پیدا ہوتے ہیں۔ لہٰذا ساختیات معنی کی وحدانیت پر زور دیتی ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا نے ساختیاتی مفکرین کی آرا کا نہ صرف جائزہ لیا ہے بلکہ باریک بینی سے ان کا تجزیہ بھی کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> "ساختیات کے مطالعے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ ساختیات نے دراصل مرکز کو نیست و نابود نہیں کیا، اس نے لامرکزیت کو ایک برتر مرکزیت کی صورت میں دیکھا جو ایک طرح سے صوفیانہ مسلک تھا، یعنی جزو، کل کا محض طواف نہیں کرتا، خود جزو میں پورا کل سمایا ہوتا ہے۔"(۸)

Vol.5 No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

ڈاکٹر وزیر آغا ساختیات کو صرف سوسیئر کے لسانی ماڈل تک محدود نہیں رکھتے۔ ان کے خیال میں ساختیات، طبیعیات، فلکیات، حیاتیات اور دیگر سائنسی اور معاشرتی علوم میں بھی اہمیت کی حامل ہے۔ ان کے بقول جدید لسانیات طبیعیات کے تصوّرات سے بھی متاثر نظر آتی ہے۔ اس لیے وہ ساختیات کو متصوّفانہ اور مابعد طبعیاتی تناظر میں دیکھتے ہیں۔ وہ ساختیات، طبیعیات اور تصوّف کے باہمی تعلق کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "یہ وہ مقام ہے جہاں طبعیات اور تصوّف اور نشان فہمی حقیقت کے ادراک میں ایک ہی زاویہ نگاہ کو بروئے کار لاتے دکھائی دیتے ہیں۔ جدید طبعیات کے مطابق کائنات مادی اجزا کا مرکب نہیں بلکہ مختلف رشتوں کے ربطِ باہم کا نام ہے۔ خود ناظر بھی ان رشتوں میں سے ایک ہے۔ تصوّف اور طبعیات کی طرح ساختیاتی تنقید میں بھی قاری یا ناقد تحریر کو پڑھتے ہوئے تحریر میں شامل ہو جاتا ہے۔"(۹)

اسی طرح ڈاکٹر گوپی چند نارنگ بھی ساختیات پر لکھتے ہیں۔ ان کے مطابق ساختیات ادب کے ان لسانی رازوں سے پردہ اٹھاتی ہے جنھیں اصول وضوابط کا نام دیا جاتا ہے اور جن کے تحت زبان عمل آرا ہو کر معنی پیدا کرنے کا فریضہ سرانجام دیتی ہے۔ یعنی معنی افراد پیدا نہیں کرتے بلکہ وہ لسانی نظام پیدا کرتا ہے جس کے تحت افراد گفت گو کرتے ہیں۔ وہ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> "ساختیات کے ماہرین یہ جاننے کے خواہش مند ہیں کہ فکشن کی بنیادی ساختیں کیا ہیں یا کسی عہد کی جمالیات یا شعری یا نثری 'ادبیت' یا 'شعریت' کے وہ اصول کیا ہیں جو فن پاروں میں مضمر ہیں اور ادب میں کارگر رہتے ہیں۔۔۔ بجائے یہ کہنے کے کہ زبان حقیقت کی ترجمانی کرتی ہے، ساختیاتی فکر اس پر زور دیتی ہے کہ 'زبان کی ساخت حقیقت کو پیدا کرتی ہے'۔"(۱۰)

ان کے خیال میں جملہ مظاہر کے عقب میں ساخت پنہاں ہے جو ان کے وجود، پہچان اور معنی خیزی کا باعث ہے۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ "ساختیات ایک سائنسی سعی ہے، ان اصول وضوابط اور رموز کو دریافت کرنے کی جو تمام سماجی اور ثقافتی ظواہر کے پس پشت کار فرما رہتے ہیں"(۱۱)

ساختیاتی تنقید نے ادب اور زبان کی ساخت کے ذریعے معنی کی وحدانیت کو پیش کرنے کی کوشش کی۔ اس نے تخلیق کے مواد کو اہمیت دی اور نہ ہی تخلیق کے باطن میں مستور معنی بیان کرنے کی کوشش کی بلکہ اس نے ان ساختوں اور اسٹرکچروں کے تجزیے پر زور دیا جو معنی کی تخلیق کرتے ہیں۔ ساختیات کی توسیع پس ساختیات ہے۔ لفظ و معنی کی وحدت کو منطقی طور پر ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ کیوں کہ ہر لفظ اپنے معنی کے لیے دوسرے لفظوں کا محتاج ہوتا ہے اور وہ پھر مزید لفظوں کا اور یہی سلسلہ جاری رہتا ہے۔ یعنی ہر لفظ معنی بن جاتا ہے اور ہر معنی لفظ۔ پس ساختیاتی مفکرین نے یہ کوشش کی کہ لفظ کس طرح معنی در معنی پیدا کرتا ہے اور یہ سلسلہ زبان و ادب کے نظام میں کس طرح عمل پیرا رہتا ہے۔ پس ساختیاتی مفکرین میں رولاں بارتھ، ژاک دریدا، جولیا کرسٹیوا، مشل فوکو اور ژاک لاکاں کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ سوسیئر اعلان کرتا ہے کہ معنی اور معانی نما دو الگ الگ نظام ہیں۔ وہ ان کی باہمی وابستگی کو آزادانہ خود مختار قرار دیتا ہے جو معنی کی وحدت کو جنم دیتی ہے۔ سماجی ثقافتی یا کسی اور تعلق کی بنا پر اگر معنی نما کسی مخصوص معنی سے منسلک ہو جائے تو ایسی صورت میں بھی معنی کی وحدت مستحکم ہو جاتی ہے اور معنی کی مخصوص شناخت طے ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ سوسیئر سے اختلاف کرتے ہوئے معنی کی وحدت کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں اور لکھتے ہیں:

Vol.5 No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

"سوسئیر اس بات پر غور نہیں کر سکا کہ جب دو نظام ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں، معنی کی وحدت غیر مستحکم ہو جاتی ہے۔ زبان کو ایک جامع لسانی نظام قرار دینے کے بعد اگرچہ سوسیئر نے نشان کو مربوط رکھنے کی ہر چند کوشش کی، تاہم اس کے دو حصّے قرار دے کر اس نے اس کے ارتباط کے کالعدم ہونے کا راستہ بھی کھلا چھوڑ دیا۔"(۱۲)

اسی سے پس ساختیاتی فکر کی راہ ہموار ہوئی جس نے معنی کی وحدانیت پر کاری ضرب لگائی۔ ژاک دریدا نے رڈ تشکیل (Deconstruction) کا نظریہ پیش کر کے معنی کی واحدانیت اور اس کے متعین معنی کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا۔ اس کے مطابق قرات کا سفر متعین معنی کو رَد کرتا ہوا معنی در معنی پیدا کرتا ہے اور معنی کی واحدانیت پارہ پارہ ہو کر عدم قطعیت کا شکار ہو جاتی ہے، یعنی ہر معنی خود کو بے دخل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، اس طرح یہ ختم نہ ہونے والا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کا خیال ہے کہ "روایت نے جو معنی مرتب کر دیے ہیں، معنی فقط اتنے نہیں ہیں۔ علم اور طاقت کے کھیل میں جو معنی دَب گئے ہیں یا دَبا دِیے گئے ہیں، دریدا ان کو کھولتا اور ان پر توجہ دیتا ہے۔"(۱۳)

ژاک دریدا نے رڈ تشکیل (Deconstruction) کا جو تصوّر دیا، اس کے مطابق متن (Text) کے متعین معنی کو بے دخل کیا جا سکتا ہے اور معنی کی وحدت کو پارہ پارہ کیا جا سکتا ہے۔ معنی مسلسل التوا کا شکار رہتا ہے یعنی کسی متن کے معنی تکثیریت کے حامل ہوتے ہیں۔ اس نظریے پر اعتراضات بھی کیے گئے ہیں کہ رڈ تشکیل کے ذریعے دریدا قاری کو معنی کے بحرِ بیکراں میں لا کھڑا کرتا ہے اور اسے کہیں سے کنارہ نظر نہیں آتا۔ ڈاکٹر وزیر آغا اسے گورکھ دھندے کا نام دیتے ہیں۔ اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں:

"دریدا کا ساخت شکنی کا نظریہ محض معانی کے فرق اور اس کے لامتناہی التوا کے حوالے سے موجودگی کو گنجلک اور قرار دینے تک محدود ہے، اور ہر چند اس عمل میں معنی آفرینی کی رو جاری رہتی ہے۔ تاہم یہ کسی ماورائے 'حقیقت' یا 'معنی' تک نہیں پہنچ پاتی۔ اس کا زیادہ تر کام مروّج اور متعین معنی کی ساخت کو Deconstruct کرتے چلے جانا ہے۔"(۱۴)

لیکن ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کا خیال ہے کہ "رَدّ تشکیل کا کارنامہ یہ ہے کہ وہ تنقید کے سوال کرنے کے حق کا تحفظ کرتی ہے۔ استفہامیت کا ناقابلِ شکست فلسفیانہ جواز فراہم کر کے رَدّ تشکیل مزید تنقیدی ہونے کا حوصلہ عطا کرتی ہے۔۔۔ اور یہ معنی کی ایک لذّت پر اکتفا نہیں کرتی بلکہ ہر لذّت کی راہ کھلی رکھنا چاہتی ہے، حاضر لذّت کی بھی، غائب لذّت کی بھی جس پر پہرہ بٹھا دیا گیا ہے۔"(۱۵)

ڈاکٹر وزیر آغا دریدا کے رَدّ تشکیل تصوّر کو بھی تصوّف اور مذہبی تصورات کے ذریعے پیش کرتے ہیں۔ ان کے مطابق "اس سلسلے میں سب سے زیادہ زرخیز تصوّر صورِ اسرافیل کا ہے جو ساخت شکنی کے نظریے کی بہترین ترجمانی کرتا ہے، یعنی یہ کہ صورِ اسرافیل کی آواز دو بار آئے گی۔ پہلی بار دنیا کو Deconstruct کرنے کے لیے، دوسری بار اسے اپنی ہی راکھ سے دوبارہ جنم دینے کے لیے، یہی ساخت شکنی والوں کا موقف بھی ہے۔"(۱۶)

تصوّف بھی اسی موقف کی تائید کرتا ہے کہ پہلے توڑنے کا عمل ہوتا ہے اور اس کے بعد ایک بلند سطح پر اسے دوبارہ تعمیر کرنے کا عمل وقوع پذیر ہوتا ہے۔ لیکن وہاب اشرفی، ڈاکٹر وزیر آغا کے اس نقطہ نظر پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "وزیر آغا کی یہ توجیہات مذہبیات کے غلبے کی کوشش ہے اور اسی طرح وزیر آغا دریدا کے رَدّ تشکیل کے نظریے کا رشتہ اکتشافی تنقید سے جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔"(۱۷) لیکن ڈاکٹر محمد علی صدیقی کے اس قول سے ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کے نقطہ نظر کی توثیق ہوتی ہے کہ "

Vol.5 No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

دریدا کی رَدّ ساختیت Deconstruction میں صرف معنی سے انکار نہیں ہے بلکہ اس کے یہاں معنی کے اختصار یا کلید کا رَد ہے۔ اس کا خیال ہے کہ معنی کی غیر موجودگی میں بھی معنی کی دریافت کا پہلو نکلتا ہے۔"(۱۸)

رولاں بارتھ (Roland Barthes) پس ساختیاتی فکر کا پیش رَو ہے۔ اس کے تنقیدی نظریات وافکار اردو کے مختلف ناقدین کے ہاں موضوعِ بحث رہے ہیں۔ رولاں بارتھ کا یہ کہنا کہ "Language speaks not man" کی مختلف ناقدین نے اپنے نقطہ نظر سے افہام و تفہیم کی ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں:

> "یہاں تکلم زبان کے نظام کی رُو سے ممکن ہے۔ نظام نہ ہو تو تکلم ممکن ہی نہیں، یعنی انسان بے زبان ہے بغیر زبان (لسانی نظام) کے، لہٰذا، زبان بولتی ہے، انسان نہیں۔"(۱۹)

یعنی یہاں رولاں بارتھ کی Language سے مراد ایسا نظام ہے جس کے بغیر انسان گفت گو کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ یہی زبان (لسانی نظام) ہی انسان کے خیالات کے اظہار کا ذریعہ ہے، ورنہ انسان بے زبان ہے یعنی وہ کسی قسم کی گفت گو یا بات چیت کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ اسی طرح رولاں بارتھ نے اپنے مضمون 'مصنف کی موت' (The Death of Author) میں میلارمے کے اس اعلان پر کہ "Writing writes not authors" یعنی ادب لکھتا ہے، ادیب نہیں، پر مفصّل بحث کی ہے۔ یہ بات 'مصنف کا اپنی تخلیق سے رشتہ منقطع کرنے کا اعلان' قرار دی گئی اور کہا گیا کہ فن پارہ بغیر مصنف یا خالق کے تخلیق پا سکتا ہے۔ حالاں کہ ایسی بات نہیں تھی، اسے بھی مختلف نقطہ ہائے نظر سے دیکھا اور سمجھا گیا۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "ادب لکھتا ہے، ادیب نہیں، سے مراد یہ ہے کہ ادب خلا میں پیدا نہیں ہوتا۔ اگر پہلے سے تحریر (ادب) کا وجود نہ ہو تو کوئی شاعر یا مصنف کچھ لکھ نہیں سکتا۔ جو کچھ اگلوں نے لکھا ہے، ہر فن پارہ اس پر اضافہ ہے۔ مصنف جس ثقافت، جس زبان، جس ادبی روایت میں پلا بڑھا ہے، لاکھ انحراف و اجتہاد کرے، وہ لکھے گا اسی روایت اور شعریات کی رُو سے ۔"(۲۰)

یعنی ہر ادب پارہ، تحریر یا تخلیق ہمیشہ اپنے ثقافتی و ادبی نظام کے تحت ہی وجود میں آتی ہے۔ کوئی ادب پارہ، تحریر یا تخلیق اس نظام سے باہر تشکیل نہیں پا سکتی۔ قاری اساس تنقید نے مصنف اور تصنیف کی ہی نفی کر دی اور قاری کو ہی متن کی قرات اور معنی اخذ کرنے میں بنیادی حیثیت دے دی۔ اس طرح ایک تحریر کے جتنے قاری ہوں گے، اس کے اتنے ہی معنی و مفاہیم ہوں گے۔ رولاں بارتھ نے 'مصنف کی موت' کا اعلان کر دیا اور مصنف کو اس کی تصنیف سے بے دخل کر دیا۔ لیکن ڈاکٹر وزیر آغا اس تصوّر کی نفی کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ "جو لوگ تصنیف سے اس کے مصنف کو منہا کر دیتے ہیں اور تمام تر اہمیت تصنیف یا قاری کو دیتے ہیں، وہ تصویر کا صرف ایک ہی رخ دیکھتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ مصنف اپنی تصنیف میں اسی طور موجود ہوتا ہے جیسے گرامر بطور ایک سسٹم جملوں کے اندر کار فرما ہوتی ہے۔"(۲۱)

ڈاکٹر وزیر آغا کسی ایک تنقیدی انداز کے قائل نہیں اور نہ ہی تنقید کے کسی ایک مسلک سے وابستہ نظر آتے ہیں۔ وہ مختلف تنقیدی مسالک سے استفادہ کرتے ہوئے امتزاجی تنقید کے روحِ رواں نظر آتے ہیں۔ اس وہ امتزاجی تنقید کو تخلیقی عمل سے جوڑ دیتے ہیں جو فکری کشادگی کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ ان کے خیال میں "امتزاجی تنقید ایک کھلے رویے کی ضامن ہے۔ یہ اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ نقاد اپنے تعصبات کو جھٹک دے اور امتزاجی جہت کے حوالے سے متن کے امتزاجی پیٹرن تک رسائی حاصل کر لے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ تنقید کے لیے نقاد اور متن دونوں کا امتزاجی ہونا ضروری ہے۔"(۲۲)

Vol.5 No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

جدیدیت دراصل ایک ادبی رویہ ہے جو آزادی رائے اور آزادی فکر کا متقاضی ہے۔ ترقی پسندوں کے برعکس، جدیدیت جانب دار سیاسی وابستگی سے انکار کرتی ہے۔ اردو تنقید میں ڈاکٹر وزیر آغا نے جدیدیت میں تصوّف اور مابعد طبعیاتی عناصر کو شامل کیا۔ وہ ترقی پسندی کی ، اس میں پائے جانے والے سقم کی وجہ سے مخالفت کرتے ہیں اور جدیدیت کے نام لیوا ہیں۔ ان کے مطابق "جب جدیدیت سے روحانی کشف کی صنعت، ماورائیت کا رجحان اور داخلی سطح کے پھیلاؤ کو منہا کر دیا جائے تو باقی جو کچھ بچے گا آپ اسے ترقی پسندی کا نام دے سکتے ہیں۔"(۲۳)

ڈاکٹر وزیر آغا کے اپنے تنقیدی نظریات میں تصوّف کی منازل بیان کرتے ہیں اور اسی کا پرچار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے اس نقطہ نظر پر وہاب شرفی نے اعتراض کیا کہ "وزیر آغا ایسے خوش کن رَدّ تشکیل کے عمل میں روحانی منزلوں سے گزرتے ہوئے تصوّف کے حلقے میں داخل ہو جاتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دریدا کے رَدّ تشکیل (ان کے الفاظ میں) کا رشتہ اکتشافی تنقید کے زمرے میں لانے کی کوشش کرتے ہیں۔"(۲۴)

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے تھیوری اور اس کے مباحث پر اس طرح کام کیا ہے کہ ان کی اہمیت سے انکار ناممکن ہو جاتا ہے۔ اپنی تنقیدی تحریروں میں ارتقاپذیر ذہن رکھنا ان کا خاصہ ہے۔ اس لیے وہ بدلتے ہوئے وقت اور اس کے تقاضوں کے مطابق ادب کی پرکھ کرتے ہیں۔ وہ ادب کو ایک نامیاتی شے سمجھتے ہوئے اس کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ادب، قاری تک لطف اندوزی کے ساتھ ساتھ مختلف نظریات و افکار کی رسائی کو بھی ممکن بناتا ہے۔ اس لیے ہر نقاد ادب کا مطالعہ کرتے ہوئے مختلف نظریات و افکار اور تحریکات سے استفادہ کرتا ہے۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کا کہنا ہے کہ ''ان تینوں میں سے کوئی بھی میرا ذاتی مسئلہ نہیں، ترقی پسندی، جدیدیت نہ مابعد جدیدیت۔"(۲۵) لیکن جب ہم ان کی تحریروں کو دیکھتے ہیں تو وہ ان تینوں نظریات سے بیک وقت منسلک نظر آتے ہیں۔ جب انھوں نے ادب کے میدان میں قدم رکھا تو اس وقت دو عالمی جنگیں ہو چکی تھیں اور انسان کی لایعنیت کا دور دورہ تھا۔ ترقی پسند تحریک ادب کو انسان کی بقا، اس کے مسائل کے حل اور ادب کو زندگی کا ترجمان بنانے کی کوشش کر رہی تھی۔ پروفیسر نارنگ بھی اسی کے ساتھ انسان دوستی کے مشن پر گامزن ہو گئے۔ وقت کے ساتھ جب جدیدیت نے ہندوستان میں ترقی پسندی کے رَدّ عمل کے طور پر سر اٹھایا اور ادب میں نئی روایت کی بنیاد رکھی۔ اس نے اردو ادب میں سماجی اور قومی مسائل اور ان کے حل کو شامل کرنا ممنوع قرار دے دیا تو پروفیسر نارنگ نے جدیدیت کا قبلہ درست کرنے اور ادب کا تعلق ثقافت و تہذیب سے جوڑنے پر زور دیا۔ جدیدیت نے آگے بڑھ کر مابعد جدیدیت کا دامن تھاما جو جدید زمانے کی بدلتی ہوئی صورتِ حال، نئے سماج کے مزاج اور مسائل کی وجہ سے جو تبدیلیاں رونما ہوئیں، ان کی ترجمان ہے۔ تھیوری کے مباحث جیسا کہ جدیدیت، مابعد جدیدیت، ساختیات اور پس ساختیات وغیرہ کو موضوعِ گفت گو بنایا جانے لگا تو پروفیسر نارنگ نے ان مباحث کی گتھیاں ایک زیرک نقاد کی حیثیت سے سلجھائیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> "سامنے کی بات ہے کہ اردو میں جدیدیت عین اس وقت شروع ہوئی جب وہ دنیا میں تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ مزید یہ کہ دنیا میں جدیدیت روشن خیالی کا حصہ تھی اور اس میں ترقی پسندی ایک جوہر تھا۔ اردو میں جدیدیت ترقی پسندی کی ضد کے طور پر ابھری اور مارکسزم دشمنی (بالخصوص ماسکو برانڈ مارکسزم دشمنی) اس کی اساسی پہچان تھی۔"(۲۶)

جس ادیب نے مزدور، کسان، پیداوار، طبقاتی کشمکش اور سماجی مسائل کا ذکر کیا، اسے ترقی پسند کہا جانے لگا اور جس نے صنعتی ترقی اور حصول روزگار کے نتیجے میں فرد کے اجنبی بن جانے، اس کی تنہائی، ذات کی شکست وریخت اور علامتی انداز کو اپنایا اسے جدید کہا جانے لگا۔ پروفیسر نارنگ اس طرح کی لگی بندھی فارمولائی تعریفوں کے خلاف ہیں۔ ہر وہ نظریہ جس کے تحت ادب کو ایک سانچے میں قید کر لیا جائے یا یک رُخا انداز اختیار کیا جائے، وہ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ اردو میں ترقی پسندی اور جدیدیت نے اردو ادب کو سیراب کیا اور اپنا دورانیہ مکمل کر کے ہاشیے پر چلی گئیں۔ یہ دونوں تحریکیں لگے بندھے اصولوں کی پابند کر دی گئی تھیں، اس لیے اپنا تاریخی کردار ادا کرنے کے بعد بے اثر ہو گئی

Vol.5 No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

تھیں۔ ان کی جگہ ایک نئی صورتِ حال نے لے لی، جسے مابعد جدید کہا جانے لگا۔ اس کی بنیاد ساختیات، پس ساختیات، نسوانیت کی تحریک، نئی تاریخیت اور رَدّ تشکیل کے فلسفے پر رکھی گئی۔ اس ضمن میں پروفیسر گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں:

> "مابعد جدیدیت ترقی پسندی کی ضد ہے اور نہ جدیدیت کی، چوں کہ یہ پہلے سے چلے آرہے نظریوں کی ادعائیت کو رَد کرنے اور طرفوں کو کھولنے والا رویہ ہے، اس کی کوئی بندھی لگی فارمولائی تعریف ممکن نہیں ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو مابعد جدیدیت ایک کھلا ذہنی رویہ ہے، تخلیقی آزادی کا، اپنے ثقافتی تشخص پر اصرار کرنے کا، معنی کو سکہ بند تعریفوں سے آزاد کرانے کا، مسلمات کے بارے میں اَز سرِ نَو غور کرنے اور سوال اٹھانے کا، دی ہوا دبی لیک کے جبر کو توڑنے کا، ادعائیت خواہ سیاسی ہو یا ادبی، اس کو رَد کرنے کا، زبان یا متن کے حقیقت کے عکسِ محض ہونے کا نہیں بلکہ حقیقت کے خلق کرنے کا، معنی کے معمولہ رُخ کے ساتھ اس کے دبائے یا چھپائے ہوئے یا نظر انداز کیے ہوئے رُخ کے دکھانے کا، قرات کے تفاعل میں قاری کی کارکردگی کا۔ دوسرے لفظوں میں مابعد جدیدیت تخلیق کی آزادی اور تکثیریت کا فلسفہ ہے جو مرکزیت یا کلیت پسندی کے مقابلے پر ثقافتی بوقلمونی، مقامیت، تہذیبی حوالے اور معنی کے دوسرے پَن (The Other) کی تعبیر پر اور اس تعبیر میں قاری کی شراکت پر اصرار کرتا ہے۔"(۲۷)

مابعد جدیدیت دراصل جدیدیت کا رَدیا رَدّ عمل نہیں ہے بلکہ یہ جدیدیت سے آگے کا وہ ادبی رویہ ہے جو ان پہلوؤں کو اہمیت دیتا ہے جو جدیدیت میں غیر اہم سمجھے گئے۔ ترقی پسندی کے برعکس جدیدیت نے سیاسی وابستگی سے انکار کیا اور فکری و اظہاری آزادی کو اہمیت دی۔ علامتی اور استعاراتی طریق اظہار کو فروغ دیا، جس کی وجہ سے جدیدیت نے جدید موضوعات کے ساتھ ساتھ جدید اسالیب کو بھی متعارف کرایا۔ یہی وجہ ہے کہ زبان، اسلوب اور تکنیک کو زیادہ اہمیت ملی لیکن روف نیازی کے مطابق "مابعد جدیدیت میں ابہام، انتشار، ریزہ خیالی، طعطل، التوا، مرکز گریزی، رَدّ تشکیل، مہابیانیوں سے انحراف، معنویت کا اختلاف اور انسان گریز رویوں کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔"(۲۸)

جب ہم اردو ادب میں تھیوری سازی کے عمل پر نگاہ دوڑاتے ہیں تو پروفیسر رنگ کا نام سرِ فہرست نظر آتا ہے۔ تھیوری دراصل ہر اس نظریہ ادب کے خلاف ہے جو وحدانی یا فارمولائی ہو۔ تھیوری ادب میں کسی بھی مسئلے کی تہہ تک پہنچنے کا راستہ بتاتی ہے۔ یہ ادب کے مطالعہ و قرات کے لیے سماجی، معاشی، ثقافتی، تہذیبی، لسانی، تمدنی اور بشری علوم کی معاونت پر زور دیتی ہے۔ اس طرح مابعد جدید تنقید میں ساختیات، پس ساختیات، رَدّ تشکیل، ثقافت، تہذیب، تانیثیت، تحلیل نفسی بشریات، نو آبادیات اور مابعد نو آبادیات جیسے مطالعات شامل ہو گئے ہیں۔ مابعد جدیدیت دراصل تھیوری کے اسی مطالعے کا نام ہے۔ یہ ادب میں ہر طرح کی ادعائیت کے خلاف ہے۔ پروفیسر نارنگ نے تھیوری کے تحت ادب میں ہر طرح کی اجارہ داری، وحدانیت، فارمولائی مطالعہ جات، مہابیانوں اور ادعائیت سے نکالنے کے لیے ادبی مطالعہ اور قرات کا ایک الگ اور منفرد انداز اختیار کیا ہے۔ سوسیئر کے نظریہ ساختیات میں سقم آنے سے پس ساختیات کی راہ ہموار ہوئی۔ ساختیات معنی کی وحدانیت پر زور دیتی ہے لیکن پس ساختیات نے معنی کی تکثیریت پر زور دیا۔ اسی طرح دریدا نے رَدِّ تشکیل کے ذریعہ معنی در معنی کا دروازہ کھولا، لیکن قرات میں قطعیت کے دروازے بند کر دیے۔ پروفیسر نارنگ نے اپنی نظریہ ساز کتاب 'ساختیات، پس ساختیات اور مشرقی شعریات' میں تفصیل کے ساتھ ان مباحث پر بحث کی ہے۔ ان کی خوبیوں اور خامیوں کا احاطہ کرتے ہوئے اپنا نقطہ نظر بیان کیا ہے۔

Vol.5 No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

تنقید، تحقیق، فکشن شعریات ، غزل کی شعریات ، ثقافتی مطالعے، تھیوری اور اس کا اطلاق، اسلوبیات، جدید اور مابعد جدید تنقید، ساختیات ، پس ساختیات ، رَدّ تشکیل، تاریخیت، نو تاریخیت وغیرہ جیسے موضوعات پر پروفیسر نارنگ علمی و فکری بحث کر کے قاری کے لیے افہام و تفہیم کے دَر وَا کرتے ہیں۔ وہ تہذیب و ثقافت سے بھی منھ نہیں موڑتے بلکہ معاصر منظر نامے میں ادب کا مطالعہ کرتے ہیں۔ بقول شہزاد انجم:

> ”اردو ادب و تنقید کی تاریخ میں ان کی بنیادی شناخت ایک نظریہ ساز نقاد کی ہے۔ وہ اپنی دیدہ دری سے نئے نئے نظریات پیش کرتے ہیں ۔۔۔ لیکن سب سے زیادہ توجہ ادبی تھیوری یعنی ادبی نظریہ سازی پر دی ہے۔ ادب اور تھیوری کے رشتے کی بات کرتے ہیں۔ وہ زندگی کے کسی بھی تصوّر کو تھیوری کے بغیر ممکن قرار نہیں دیتے۔ مسئلہ انسان دوستی کا ہو، عینیت پسندی کا ہو، زبان کا ہو یا ادبی تنقید کے دوسرے مسائل ہوں، وہ سب کی جڑ تھیوری کو قرار دیتے ہیں ۔ وہ مغربی افکار کے ساتھ مشرقی روایت کی بھی پاسداری کرتے ہیں۔“(۲۹)

خواجہ محمد زکریا کے مطابق ڈاکٹر گوپی چند نارنگ اردو تنقید کا معتبر نام ہے۔ وہ ان کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ ”گوپی چند نارنگ کی ناقدانہ حیثیت کو ان کی جملہ صلاحیتوں میں سب پر فائق سمجھا جاتا ہے۔ وہ مشرق و مغرب کی تنقیدی روایات سے بخوبی آگاہ ہیں۔ ان کی تنقیدات میں وسعتِ معلومات، بصیرت اور ذوقِ ادب کا بہت عمل دخل ہے ۔ وہ جدید اردو تنقید کے پیش رَو سمجھے جاتے ہیں۔“(۳۰)

اسی طرح ڈاکٹر وزیر آغا نے اپنے تنقیدی افکار سے اردو تنقید کو ثروت مند بنایا۔ وہ کسی خاص نقطہ نظر کے قائل نہیں ہیں بلکہ وہ مختلف علوم و فنون سے استفادے کی داغ بیل ڈالتے ہیں۔ وہ نہ صرف ثقافتی اور تہذیبی پہلوؤں کو دیکھتے ہیں بلکہ وہ نفسیات ، سائنس، فلسفہ اور تصوّف وغیرہ سے بھی استفادہ کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی روشن خیالی اور اعلیٰ فکر کی روشنی میں اردو کے تخلیق کاروں نے اپنی راہ کا تعین کیا۔ ڈاکٹر وزیر آغا کے بارے میں ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

> ”ڈاکٹر وزیر آغا نے تنقید میں مختلف النوع علوم سے استفادہ کا طریق رائج کیا اور ان کی معاونت، تجزیہ اور تحلیل سے تخلیق اور تخلیق کار کے جہانِ معنی کو روشنی عطا کی۔ انھوں نے ادب میں ثقافتی اور تہذیبی پسِ منظر کو اہمیت دی اور اس کے اطلاق سے اصنافِ سخن کی تعبیرِ نَو کی۔ تخلیقی عمل میں دائرے اور جست کے حوالے سے تخلیق کا ایک نیا نظریہ پیش کیا ہے۔ ان کے پیش کیے گئے نظریات کی عملی تنقیدیں انھیں اس اثبات بھی فراہم کرتی ہیں اور وزیر آغا کو ایک نئے دبستانِ تنقید کا رہنما بھی ثابت کرتی ہیں۔“(۳۱)

ڈاکٹر وزیر آغا اور ڈاکٹر گوپی چند نارنگ دونوں کا تعلق ترقی پسندی ، جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے ادوار سے ہے۔ دونوں نے تھیوری کے جملہ مباحث پر بحث کی اور ان مباحث کے حسن و قبح پر روشنی ڈالی۔ مزید براں ان مباحث کو اردو میں برتنے کا عملی نمونہ بھی اپنی عملی تنقید میں پیش کرتے ہیں۔ دونوں ناقدین ادب کو اس کے سماجی، تہذیبی اور ثقافتی عناصر سے مزین دیکھنا چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر وزیر آغا امتزاجی تنقید کے علمبردار اور جدیدیت پسند ہیں۔ وہ جدیدیت کو ترقی پسندی کی ضد قرار دیتے ہیں اور ترقی پسندی کے خلاف بھی ہیں۔ وہ جدیدیت اور مابعد جدیدیت کو مذہبی نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں اور تھیوری کے تانے بانے روحانیت، تصوف اور مابعد طبیعات سے جوڑتے ہیں۔ یعنی وہ ادب کو مذہب اور تصوّف کے حصار میں دیکھنا چاہتے ہیں، حالاں کہ ادب ہر طرح کی علمی و فکری آزادی کا خواہاں ہے۔ ان کے برعکس ڈاکٹر گوپی چند نارنگ ترقی پسندی کو جدیدیت کی ضد قرار

Vol.5 No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

نہیں دیتے بلکہ اس کا ایک پہلو قرار دیتے ہیں اور ادب کو ہر طرح کی پابندیوں (چاہے وہ سیاسی، ادبی اور مذہبی ہوں) کے حصار سے نکال کر علمی و فکری آزادی سے جڑے رہنے کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔ ڈاکٹر وزیر آغا ہوں یا ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، دونوں تنقید کے معتبر نام ہیں۔ انھوں نے اردو تنقید کو کشادہ راہ دکھائی اور اس میں نت نئے اضافے کیے۔ انھوں نے اپنی تنقیدی بصیرت اور بصارت کے ذریعے تخلیق کاروں کی ہر قدم پر رہنمائی کی۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں اردو تنقید کے نظریہ ساز نقاد کہا جاتا ہے۔ ان نظریہ ساز ناقدین کے بارے میں نظام صدیقی لکھتے ہیں:

> ”ہندوستان اور مغربی دانشوروں میں پروفیسر گوپی چند نارنگ کی یکتا اور نادر روزگار ہیں جو اپنی ایک منفرد لسانیاتی، اسلوبیاتی روایت کی عظیم بصیرتوں کے ساتھ مغرب کی نت نئی فکری اور نظریاتی محاوروں کو نہایت نزاکت، لطافت اور معنویت کے ساتھ مخلوط اور منور کرتے ہیں۔ پاکستان میں وزیر آغا نے ہمیشہ سے اپنی تخلیقی اور تنقیدی خیال آلود اور فکر انگیز تحریرات میں نئے خیالوں اور ساختوں کو متعارف کرایا ہے۔ انھوں نے نہ صرف تخلیقی ادب میں بلکہ جدید اور مابعد جدید ادب میں بھی خصوصی امتیازی مقام بنایا ہے۔ وہ ایک عظیم شاعرانہ خواب عرفان (ویژن) کے ساتھ ایک اور یجنل مفکر اور روشن ضمیر دیدہ ور بھی ہیں۔“(۳۲)

حوالہ جات و حواشی

۱۔ ڈاکٹر وزیر آغا ۱۸۔ مئی ۱۹۲۲ء کو سرگودھا کے گاؤں وزیر کوٹ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۹۴۳ء میں انھوں نے گورنمنٹ کالج لاہور سے معاشیات میں ایم اے کیا۔ اس کے بعد ۱۹۵۶ء میں ”اردو ادب میں طنز و مزاح“ کے موضوع پر مقالہ لکھ کر پنجاب یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ کھیتی باڑی ان کا پیشہ تھا۔ وہ اعلیٰ پائے کے شاعر، عمدہ نثر نگار اور نہایت زیرک نقاد تھے۔ وہ مولانا صلاح الدین کی مجلے 'ادبی دنیا' کے شریک مدیر رہے۔ بعد ازاں انھوں نے ۱۹۶۶ء میں 'اوراق' کا اجرا کیا اور تاحیات اس کے مدیر رہے۔ انھوں نے جدید اردو نظم، انشائیے اور تنقید کے میدان میں بے بہا خدمات سرانجام دیں۔ ان کا انتقال ۷۔ ستمبر ۲۰۱۰ء کو ہوا۔ ڈاکٹر وزیر آغا کے تنقیدی مقالات و مضامین کے مجموعے نظم جدید کی کروٹیں (۱۹۶۳ء)، تنقید اور احتساب (۱۹۶۸ء)، نئے مقالات (۱۹۷۲ء)، تنقید اور مجلسی تنقید (۱۹۷۵ء)، نئے تناظر (۱۹۷۹ء)، دائرے اور لکیریں (۱۹۸۶ء)، تنقید اور جدید اردو تنقید (۱۹۸۹ء)، انشائیے کے خدوخال (۱۹۹۰ء)، ساختیات اور سائنس (۱۹۹۱ء)، دستک اس دروازے پر (۱۹۹۴ء)، معنی اور تناظر (۱۹۹۸ء) اور امتزاجی تنقید کا سائنسی اور فکری تناظر (۲۰۰۶ء) شائع ہو چکے ہیں۔ ان کے علاوہ ان کی یک موضوعی تنقیدی کتب میں اردو ادب میں طنز و مزاح (۱۹۵۸ء)، اردو شاعری کا مزاج (۱۹۶۵ء)، تخلیقی عمل (۱۹۷۰ء)، تصوراتِ عشق و خرد اقبال کی نظر میں (۱۹۷۷ء)، مجید امجد کی داستانِ محبت (۱۹۹۱ء)، غالب کا ذوقِ تماشا (۱۹۹۷ء) اور کلچر کے خدوخال (۲۰۰۹ء) شائع ہو چکی ہیں۔ ان کے انٹرویوز کے مجموعے مکالمات (۱۹۹۰ء) اور نئے مکالمات (۲۰۱۰ء) شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی آخری تنقیدی کتاب تنقیدی تھیوری کے سو سال (۲۰۱۳ء) میں شائع ہوئی۔

۲۔ وہاب اشرفی، مابعد جدیدیت: مضمرات ممکنات، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء، ص ۳۹۲

۳۔ اردو زبان کے نقاد اور محقق گوپی چند نارنگ ۱۱۔ فروری ۱۹۳۱ء کو موضع دُکی، ضلع لورالائی، صوبہ بلوچستان میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۸ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے اردو (آنرز) کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد دہلی منتقل ہو گئے۔ ۱۹۵۴ء میں دہلی یونیورسٹی سے ایم اے (اردو) کا امتحان پاس کیا اور اسی یونیورسٹی سے ۱۹۵۸ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ دہلی یونیورسٹی میں ان کا تقرّر بحیثیت لیکچرار ۱۹۵۹ء میں ہوا۔ انھوں نے ویزیٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے وسکانسن یونی ورسٹی میں بھی خدمات سرانجام دیں۔ انھوں نے نہ صرف ہندوستان میں بلکہ ملک سے باہر شکاگو، کیلیفورنیا، برکلے، کولمبیا، نیویارک، میکگل، مشی گن یونی ورسٹی کے علاوہ اورینٹل انسٹیٹیوٹ پراگ، چیکوسلواکیہ میں اردو زبان و ادب پر لیکچر دیے۔ وہ اکتوبر ۱۹۷۴ء تک دہلی یونیورسٹی میں درس و تدریس سے منسلک رہے اور ۱۹۷۴ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ میں بطور یونی ورسٹی پروفیسر خدمتِ زبان و ادب اردو پر مامور ہوئے۔ اس وقت وہ دہلی میں مقیم ہیں۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کے تنقیدی کتب میں ہندوستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں (۱۹۶۰ء)، اردو کی تعلیم کے لسانیاتی پہلو (۱۹۶۱ء)، اقبال جامعہ کے مصنفین کی نظر میں (۱۹۷۹ء)، انیس شناسی (۱۹۸۱ء)، اردو افسانہ: روایت اور مسائل (۱۹۸۱ء)، اسلوبیاتِ میر (۱۹۸۴ء)، سانحہ کربلا بطور شعری استعارہ: اردو شاعری کا ایک تخلیقی رجحان (۱۹۸۶ء)، امیر خسرو کا ہندوی کلام (۱۹۸۷ء)، ادبی تنقید اور اسلوبیات (۱۹۹۱ء)، قاری اساس تنقید، مظہریت اور قاری کی واپسی (۱۹۹۲ء)، ساختیات، پس ساختیات اور مشرقی شعریات (۱۹۹۳ء)، اردو مابعد جدیدیت پر مکالمہ (۱۹۹۵ء)، بیسویں صدی میں اردو ادب (۲۰۰۲ء)، اردو غزل اور ہندوستانی ذہن و تہذیب (۲۰۰۲ء)، اطلاقی تنقید: نئے تناظر (۲۰۰۳ء)، ہندوستان کی تحریکِ

Vol.5 No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

آزادی اور اردو شاعری(۲۰۰۴ء)، ترقی پسندی، جدیدیت اور مابعد جدیدیت(۲۰۰۴ء)، جدیدیت کے بعد(۲۰۰۵ء)، ولی دکنی: تصوّف، انسانیت اور محبت کا شاعر(۲۰۰۵ء)، اردو کی نئی بستیاں(۲۰۰۵ء)، اردو زبان اور لسانیات(۲۰۰۶ء)، سجاد ظہیر کی ادبی خدمات اور ترقی پسندی(۲۰۰۷ء)، فراق گورکھ پوری: شاعر، نقاد، دانشور(۲۰۰۸ء)، فکشن شعریات: تشکیل و تنقید(۲۰۰۹ء)، کاغذِ آتش زدہ(۲۰۱۱ء)، تپش نامہ اعمال(۲۰۱۲ء)، غالب: معنی آفرینی، جدلیاتی وضع، شونیتا اور شعریات (۲۰۱۳ء) شامل ہیں۔

۴۔ وہاب اشرفی، مابعد جدیدیت: مضمرات و ممکنات، ص۳۸۸

۵۔ نظام صدیقی، مابعد جدیدیت کا فکری اور جمالیاتی مطالعہ، مشمولہ: اردو مابعد جدیدیت پر مکالمہ، مرتبہ: ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ص۴۰۳

۶۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، ساختیات، پس ساختیات اور مشرقی شعریات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۳ء، ص۱۰

۷۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، تنقیدی تھیوری کے سو سال، سانجھ پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۲ء، ص۱۸۰

۸۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، معنی اور تناظر، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۲۰۱۶ء، ص۲۰۴

۹۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، تنقید اور جدید اردو تنقید، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۱۹۸۹ء، ص۶۸

۱۰۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، ساختیات، پس ساختیات اور مشرقی شعریات، ص۱۵۰

۱۱۔ ۔ایضاً۔، ص۱۵۱

۱۲۔ ۔ایضاً۔، ص۱۸۰

۱۳۔ ۔ایضاً۔، ص۲۴۱

۱۴۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، امتزاجی تنقید کا سائنسی اور فکری تناظر، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۲۰۰۲ء، ص۱۸۰

۱۵۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، ساختیات، پس ساختیات اور مشرقی شعریات، ص۲۴۲

۱۶۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، تنقید اور جدید اردو تنقید، ص۸۱

۱۷۔ وہاب اشرفی، مابعد جدیدیت: مضمرات و ممکنات، ص۳۹۷

۱۸۔ محمد علی صدیقی، ڈاکٹر، مابعد جدیدیت: حقائق و تجزیہ، پیس پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۴ء، ص۴۵

۱۹۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، ساختیات، پس ساختیات اور مشرقی شعریات، ص۱۷۱

۲۰۔ ۔ایضاً۔، ص۱۷۱

۲۱۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، تنقیدی تھیوری کے سو سال، ص۲۸

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615
Vol.5 No.1 2022

۲۲۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، امتزاجی تنقید کا سائنسی اور فکری تناظر، ص ۱۳۴

۲۳۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، نئے مقالات، جمہوری پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۳ء، ص ۳۱

۲۴۔ وہاب اشرفی، مابعد جدیدیت: مضمرات و ممکنات، ص ۳۹۷

۲۵۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، جدیدیت کے بعد، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص ۳۸

۲۶۔ ۔ایضاً۔، ص ۳۹

۲۷۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، اردو مابعد جدیدیت پر مکالمہ، ص ۷۲

۲۸۔ روف نیازی، مابعد جدیدیت، حلقہ آہنگ نَو، کراچی، ۲۰۰۳ء، ص ۲۲

۲۹۔ شہزاد انجم، پروفیسر گوپی چند نارنگ: ایک عہد ساز نقاد، مشمولہ: ادبی تھیوری شعریات اور گوپی چند نارنگ، مرتبہ: مشتاق صدف، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۴ء، ص ۷۲

۳۰۔ محمد زکریا، خواجہ، مختصر تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۲۰۲۰ء، ص ۱۰۷۴

۳۱۔ انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب کی تاریخ، عزیز بک ڈپو، لاہور، ۲۰۱۳ء، ص ۶۶۴

۳۲۔ نظام صدیقی، مابعد جدیدیت سے نئے عہد کی تخلیقیت تک، کتابی دنیا، لاہور، ۲۰۲۱ء، ص ۴۱